اسلام کا انداز حکمرانی

اسلام نے حکومت و اقتدار کی ان تمام لذتوں کو حرام قرار دیا ہے' جن کے لالچ میں انسان اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کا حکمران نہ تو رعیت کے عام افراد سے ممتاز کوئی بالاتر ہستی ہے' نہ وہ عظمت و رفعت کے تخت پر بیٹھ سکتا ہے' نہ قانون حق کے خلاف ایک پتا ہلا سکتا ہے' نہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے کسی عزیز یا دوست کو یا خود اپنی ذات کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ہستی کے جائز مطالبے سے بچا سکے' نہ وہ حق کے خلاف ایک حبہ لے سکتا ہے' نہ ایک چپہ بھر زمین پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اس پر ہر وقت یہ خوف غالب رہتا ہے کہ اس کے اعمال کا سخت حساب لیا جائے گا اور اگر حرام کا ایک پیسہ' جبر سے لی ہوئی زمین کا ایک چپہ' تکبر و فرعونیت کا ایک شمہ' ظلم و بے انصافی کا ایک ذرہ' اور ہوائے نفسانی کی بندگی کا ایک شائبہ بھی اس کے حساب میں نکل آیا تو اسے سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔

اسلام میں حاکم یا فرماں روا کی اصلی حیثیت اور اس کی منصبی ذمہ داریوں کی صحیح کیفیت حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے خطبے میں بیان کی تھی۔ انھوں نے فرمایا:

لوگو! مجھے تمھاری حکومت کا کام سپرد کیا گیا ہے' حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ میرے نزدیک ضعیف آدمی تم میں سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ اس کا حق اسے نہ دلوا دوں۔ اور قوی آدمی تم میں سب سے زیادہ ضعیف ہے جب تک کہ اس سے حق وصول نہ کر لوں۔ لوگو! میری حیثیت تمھارے ایک معمولی فرد سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر تم مجھے سیدھی راہ چلتے دیکھو تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ ٹیڑھا ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک خطبے میں اس منصب کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

تمھارے مال سے میرا تعلق وہی ہے جو یتیم کے مال سے اس کے ولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں خوشحال رہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر تنگ دست ہوں گا تو جو میرا جائز حق الخدمت ہو گا وہ لے لوں گا۔ میرے اوپر تمھارے کچھ حقوق ہیں اور تم ان کا مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو۔ مجھ پر فرض ہے کہ تم سے خراج کی مد میں اور اس مال میں سے جو اللہ نے تمھیں فے میں عطا فرمایا ہے' کوئی ٹیکس بے جا وصول نہ کروں۔ اور تمھارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں آئے وہ جائز مصرف کے سوا کسی اور صورت سے نہ نکلے۔

اس طرح ہر قسم کی شاہانہ طمطراق، حاکمانہ مطلق العنانی، مال و دولت کی فراوانی اور نفس کی تمام لذتوں اور راحتوں کو نکال دینے کے بعد حکومت کی ذمہ داریوں کا جو خشک اور بے مزہ حصہ باقی رہ جاتا ہے، وہ خود اسلام ہی کی زبان میں یہ ہے: "ان کو اگر ہم نے زمین میں قدرت و اختیار عطا کیا تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے" (الحج ۲۲:۴۱)۔ یہ اسلام کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں ہے بلکہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپؐ کے خلفاے راشدینؓ نے اس کا پورا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے--- ہم چند مثالیں پیش کر کے بتائیں گے کہ اسلامی حکومت کا معیار کیا ہے۔

بنی مخزوم کی ایک معزز عورت فاطمہ بنت اسد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چوری کے الزام میں گرفتار ہو کر آتی ہے۔ قریش کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں آپؐ عام لوگوں کی طرح اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دے دیں۔ سفارش کے لیے آپؐ کے سب سے زیادہ عزیز و محبوب شخص (اسامہ بن زیدؓ) کو بھیجتے ہیں۔ مگر آپؐ ان کی سفارش کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ: "تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ کم حیثیت لوگوں پر تو تعزیر کا حکم جاری کرتے تھے اور شریف و معزز لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے"۔ پھر جوش میں آکر فرماتے ہیں: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا" (بخاری - ابن ماجہ)۔

جنگ بدر میں قریش کے دوسرے سرداروں کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد (ابو العاص) گرفتار ہو کر آتے ہیں۔ عام قیدیوں کی طرح انھیں بھی بند کر دیا جاتا ہے۔ ان کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لیے مال نہیں ہوتا تو حکم ہوتا ہے کہ گھر سے منگا کر دو ورنہ قید رہو۔ وہ اپنی بیوی یعنی رسولؐ اللہ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو پیغام بھیجتے ہیں اور ان کے پاس سے شوہر کے فدیے میں ایک قیمتی ہار آتا ہے جو حضرت خدیجہؓ زوجہ رسولؐ اللہ نے ان کے جہیز میں دیا تھا۔ ہار کو دیکھ کر آپؐ کو اپنی رفیقہ حیات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ تاہم خود اپنے اختیار سے فدیہ معاف نہیں کرتے۔ عام مسلمانوں سے اجازت مانگتے ہیں کہ اگر تم پسند کرو تو بیٹی کو اس کی ماں کی یادواپس کر دی جائے، اور جب عام مسلمان اس کی اجازت دے دیتے ہیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے داماد کو بغیر فدیہ کے رہائی نصیب ہوتی ہے (طبری - ابوداؤد)۔

حدیبیہ کے مقام پر رسولؐ اللہ اور کفار قریش کا معاہدہ ہوتا ہے۔ صلح کی شرائط طے ہو چکی ہیں اور معاہدے کی کتابت ہو رہی ہے۔ عین اس حالت میں ایک مسلمان ابو جندلؓ بن سہیل کفار کی قید سے بھاگ کر آتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ بدن پر مار کے اتنے زخم ہیں کہ چور چور ہو رہا ہے۔ وہ آکر مسلمانوں کے سامنے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدارا مجھے ان کی قید سے نکالو۔ رسولؐ اللہ کی رکاب میں

۱۴ سو تلوار بند مسلمان ہیں اور آپؐ کے ایک اشارے میں ابو جندلؓ کو رہائی مل سکتی ہے، مگر کفار سے شرط طے ہو چکی ہے کہ: "قریش والوں میں سے جو شخص مسلمانوں کے پاس جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے جو شخص مکہ جائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا"" اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنی حمایت میں لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے زخم دکھا کر فریاد کرتے ہیں کہ کیا آپؐ مجھے پھر اسی ظلم کا تختہ مشق بننے کے لیے واپس کرتے ہیں۔ مگر آپؐ فرماتے ہیں: "ابو جندل! صبر کرو اور ضبط سے کام لو۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تمھارے لیے رہائی کی کوئی صورت نکالے گا" (فتح الباری، ج ۵، باب الشروط فی الجہاد)۔

جنگ یرموک کے موقع پر قیصر روم لاکھوں کی فوج مسلمانوں کے مقابلے پر جمع کرتا ہے اور شام و فلسطین سے مسلمانوں کو نکال دینے، بلکہ ان کی قوت کو کچل دینے کا عزم کر لیتا ہے۔ اس فیصلے کی گھڑی میں اپنی قوت کے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کو ایک ایک پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ حمص کے باشندوں کو جمع کرتے ہیں اور جو خراج ان سے وصول کیا تھا، اسے یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ ہم اب تمھاری حفاظت سے قاصر ہیں۔ اس لیے اب تم اپنا انتظام خود کرو۔ اس پر اہل حمص کہتے ہیں: "تمھارا عدل و انصاف ہم کو اس ظلم و جور سے زیادہ عزیز ہے جس میں ہم پہلے مبتلا تھے۔ ہم ہرقل کی فوج سے تمھارے عامل کی قیادت میں مقابلہ کریں گے" (فتوح البلدان للبلاذری)۔ یہ بات یاد رہے کہ ہرقل ایک عیسائی بادشاہ تھا، اور یہ لوگ بھی جو اپنے مسلمان حکمرانوں کی طرف سے اس کے خلاف لڑنا چاہتے تھے، عیسائی تھے اور صدیوں سے رومی سلطنت کے زیر حکومت تھے۔

جنگ صفین میں جاتے وقت خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی زرہ کھوئی جاتی ہے۔ جنگ سے واپس آتے ہیں تو وہی زرہ دارالخلافہ کے ایک یہودی کے پاس پائی جاتی ہے۔ آپ اس سے زرہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو میری ملک ہے اور ہمیشہ سے میرے ہی قبضے میں ہے۔ خلیفہ وقت کو یقین ہے کہ یہودی جھوٹ بول رہا ہے اور یہ وہی زرہ ہے جو کھوئی گئی تھی، مگر باوجود اس کے وہ اپنے شاہانہ اختیارات سے کام نہیں لیتے بلکہ ایک بے بس مدعی کی طرح قاضی شریح کی عدالت میں جا کر استغاثہ کرتے ہیں۔ قاضی ان کی جلیل القدر شخصیت کا لحاظ کر کے محض ان کے دعوے پر فیصلہ نہیں کر دیتا۔ کہتا ہے کہ آپ زرہ کی ملکیت کا ثبوت پیش کیجیے۔ وہ اپنے غلام قنبر اور اپنے بیٹے، رسولؐ اللہ کے نواسے، امام حسنؓ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ قاضی کہتا ہے کہ امام حسنؓ کی شہادت معتبر نہیں کیونکہ وہ آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کے دعوے پر بیٹے کی شہادت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ یہ حال دیکھ کر یہودی با آواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ جس دین میں یہ انصاف ہے، وہ ضرور سچا دین ہے (سیوطی)۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے پاس ان کا ایک عامل جزیے کی کثیر رقم لے کر حاضر ہوتا ہے۔ آپؓ پوچھتے ہیں: "یہ کیا ہے؟" وہ کہتا ہے: "جزیہ ہے جو ذمیوں سے وصول کیا گیا ہے"۔ مال کی کثرت کو دیکھ کر آپ کو گمان ہوتا ہے کہ جبراً وصول کیا گیا ہو گا۔ فرماتے ہیں: "کہیں تم نے لوگوں کو تباہ تو نہیں کر دیا"۔ وہ کہتا ہے: "خدا کی قسم! ہم نے نہایت نرمی سے وصول کیا ہے"۔ پوچھتے ہیں: "بغیر مارے باندھے؟" وہ عرض کرتا ہے: "واللہ بغیر مارے باندھے"۔ تب کہیں وہ رقم بیت المال میں داخل کی جاتی ہے (فتح البیان)۔ امام ابو یوسفؒ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ذمہ دار افسر کوفہ سے اور دس بصرہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور چار مرتبہ شرعی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتے کہ یہ رقم حلال ہے اور کسی مسلمان یا ذمی سے ظلم کے ساتھ وصول نہیں کی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے ابوشحمہ شراب پیتے ہیں تو ایک معمولی مجرم کی طرح گرفتار کر لیے جاتے ہیں، خود حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے انھیں ۸۰ کوڑے لگاتے ہیں اور ان کوڑوں کے صدمے سے ان کا انتقال ہو جاتا ہے (معارف ابن قتیبہ، ذکر اولاد عمر)۔ عمرو بن عاصؓ گورنر مصر کے بیٹے عبداللہ ایک شخص کو مارتے ہیں۔ وہ دربار خلافت میں استغاثہ کرتا ہے اور حضرت عمرؓ خود اسی شخص کے ہاتھ سے عبداللہ کو کوڑے لگوا دیتے ہیں۔ خود عمرو بن عاصؓ کے متعلق خبر آتی ہے کہ ان کے پاس بہت دولت اکٹھی ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ انھیں لکھتے ہیں: "گورنر ہونے سے پہلے تو تمھارے پاس اتنا سازوسامان نہ تھا اب یہ کہاں سے آ گیا"۔ وہ جواب دیتے ہیں: "میرا صوبہ ایک زرخیز علاقہ ہے، اس لیے میرے پاس میرے خرچ سے بہت کچھ مال بچ رہتا ہے"۔ یہ جواب حضرت عمرؓ کو مطمئن نہیں کرتا۔ آپ محمد بن مسلمہؓ کو پورے اختیارات دے کر بھیجتے ہیں۔ وہ مصر پہنچ کر ان کے مال کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، ان کے پچھلے اثاثے کا حساب کرتے ہیں، گورنری کے زمانے میں اس مال پر جو معقول اضافہ ہو سکتا تھا اس کا اندازہ لگاتے ہیں، اس کے بعد جو زائد مال بچتا ہے اسے ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیتے ہیں۔ مصر کا بااختیار گورنر جس کی حدود مملکت طرابلس تک پہنچی ہوئی تھیں، یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور دم نہیں مار سکتا (بلاذری)۔

مغیرہ بن شعبہؓ والی بصرہ کے خلاف شکایت پہنچتی ہے کہ ان کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم دیتے ہیں: "بصرہ میں شیطان نے آشیانہ بنا لیا ہے، تم وہاں کی گورنری کا جائزہ لو اور مغیرہؓ کو گواہوں سمیت مدینہ بھیجو"۔ حکم کے مطابق مغیرہؓ مدینہ بھیجے جاتے ہیں۔ خود حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے۔ جرح میں گواہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ شہادتوں میں شدید اختلاف واقع ہوتا ہے۔ جرم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے مغیرہؓ کو رہائی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: "اگر شہادت پوری ہو جاتی تو میں یقیناً تم کو سنگسار کر دیتا"۔ یہ مغیرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے، عرب کے

چار مشہور ترین سیاسی مدبروں (امیر معاویہؓ، عمرو بن عاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیادؓ بن ابی سفیان) میں سے ایک تھے۔ اسلام کی بڑی بڑی سیاسی و جنگی خدمات انجام دی تھیں مگر ان کی عظمت و شان، بیش قیمت خدمات، گورنری کی اعلیٰ پوزیشن، عرب میں ان کی شہرت و عزت، غرض کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور ایک معمولی مجرم کی طرح انھیں پیش ہونا پڑا۔ دنیوی حکومتوں میں کسی افسر کا بدکاری کرنا اس کا شخصی معاملہ ہے۔ بلکہ آج کل کی مہذب ترین حکومتوں کے قوانین میں زنا اگر طرفین کی رضامندی سے ہو تو سرے سے کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ لیکن جس حکومت کا اصلی مقصد انسانیت کی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا، اس میں کسی ایسے شخص کے لیے گنجایش نہ تھی جس کا ذاتی عمل درست نہ ہو۔

فارس کے علاقے میں مسلمان ایک شہر (شہریاج) کا محاصرہ کرتے ہیں اور محصورین کی مزاحمت اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ شہر کا فتح ہونا بالکل یقینی ہو جاتا ہے۔ عین اس حالت میں اسلامی فوج کا ایک غلام شہر والوں کے نام امان نامہ لکھتا ہے اور اسے تیر میں باندھ کر شہر میں پھینک دیتا ہے۔ دوسرے دن جب اسلامی فوج شہر پر حملہ کرتی ہے تو اہل شہر دروازہ کھول کر باہر آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہم کو امان دے چکا ہے، اب تم کیوں برسرپیکار ہو؟ امان نامہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک غلام کی تحریر ہے۔ اس معاملے میں حضرت عمرؓ سے استصواب کیا جاتا ہے کہ اس امان نامے کی کیا وقعت ہے؟ جواب میں آپ لکھتے ہیں: "مسلمان غلام بھی عام مسلمانوں کی طرح ہے۔ اس کے ذمہ کی وہی قیمت ہے جو عام مسلمانوں کے ذمہ کی ہے۔ لہٰذا اس کی دی ہوئی امان نافذ کی جائے" (بلاذری ذکر کور فارس)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ملک عرب کی سلطنت کے بااختیار فرماں روا منتخب کیے جاتے ہیں۔ انتخاب کے دوسرے دن حضرت عمرؓ انھیں دیکھتے ہیں کہ سر پر کپڑوں کے تھان لادے ہوئے بازار جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں: "اب آپ مسلمانوں کے امیر ہیں، آپ کو یہ کام زیبا نہیں ہے"۔ وہ جواب دیتے ہیں: "پھر میں اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ کیونکر پالوں؟" حضرت عمرؓ تجویز کرتے ہیں کہ یہ کام آپ کے لیے ابو عبیدہؓ کر دیا کریں گے۔ چنانچہ ان سے خلیفہ اسلام کا یہ معاملہ طے ہوتا ہے کہ وہ ان کی تجارت کا کام سنبھالیں اور ان کے اہل و عیال کے لیے ایک متوسط درجے کے مہاجر کی خوراک اور گرمی جاڑے کا کپڑا مہیا کر دیا کریں۔ پھر بیت المال سے خلیفہ کے لیے ۵۰۰ درہم (آج کل کے حساب سے سو روپے سے کچھ زائد) ماہانہ تنخواہ مقرر ہو جاتی ہے۔ جب انتقال کا وقت قریب آتا ہے تو لوگوں سے کہتے ہیں کہ خلیفہ ہونے کے بعد سے میرے مال میں جو کچھ اضافہ ہوا ہو، اس کا حساب کرنا اور وہ سب نئے خلیفہ کے سپرد کر دینا۔ چنانچہ انتقال کے بعد جب حساب کیا جاتا ہے تو ایک اونٹنی، ایک زنگی غلام، اور ایک پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں نکلتا (فتح الباری، ج ۵، کتاب البیوع)۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی فتوحات کا سیلاب ایران سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیل گیا تھا۔ غنائم اور اموال خراج کی اس قدر کثرت تھی کہ کروڑوں درہم سالانہ خزانے میں داخل ہوتے تھے۔ قیصرو کسریٰ کے سارے خزانے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مگر خود اس سلطنت کے فرماں روا کا یہ حال تھا کہ بدن پر بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔ پاؤں میں پھٹی ہوئی چپلی اور سر پر بوسیدہ عمامہ پہنے ہوئے یتیموں' بیواؤں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے پھرتے تھے۔ روم و عجم کے لوگ آتے تو انھیں عام مسلمانوں میں فرماں روائے عرب کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ شام کا سفر کیا تو اس شان سے کہ لوگ خلیفہ اسلام اور اس کے غلام میں تمیز نہ کر سکے۔ فتح بیت المقدس کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو پیادہ پا تھے اور ایسے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں کے خیال سے شرم آنے لگی۔ اونٹنی کا دودھ' زیتون کا تیل' سرکہ اور گیہوں کی روٹی' یہ بہتر سے بہتر غذائیں تھیں جو انھیں نصیب ہوتی تھیں۔ جب انتقال ہوا تو گھر میں اتنا اثاثہ نہ تھا کہ قرضے ادا کیے جاتے' اس لیے رہنے کا مکان بیچا گیا اور اس سے قرضے ادا کیے گئے۔

یہ واقعات قصہ و افسانہ نہیں' تاریخ کے مستند حقائق ہیں۔ انھیں دیکھ کر بتاؤ کہ دنیا میں اس سے بہتر حکومت کا کوئی اور بھی نمونہ موجود ہے؟ جن لوگوں کا آئین ملک داری اس تقویٰ و طہارت' اس خدا ترسی' اس بے نفسی و بے غرضی' اس حریت و مساوات' اس عدل و انصاف' اس وفاے عہد اور اس دیانت و امانت پر قائم ہو' کیا ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ دنیا پر حکومت کرنا' یا بالفاظ صحیح تر دنیا کی خدمت کرنا صرف انھی کا حق ہے؟ اگر انھوں نے عجم کے عیش پرست اور ظالم حکمرانوں سے عجم کا تخت خالی کرا لیا' اگر انھوں نے روم کے سیہ کار اور جفا پیشہ فرماں رواؤں کو روم کی حکومت سے بے دخل کر دیا' اگر انھوں نے آس پاس کی تمام شیطانی حکومتوں کے تختے الٹ دیے اور ان کی جگہ یہ منصفانہ حکومت قائم کی تو بتاؤ کہ یہ انسانیت پر ظلم تھا یا اس کی خدمت؟ ان کے مقابلے میں مغرب کے ان جھوٹے مدعیوں کی کیا وقعت ہے جن کو تقویٰ و پرہیزگاری سے واسطہ نہیں' وفاے عہد کی ہوا تک نہیں لگی۔ عدل و انصاف اور دیانت و امانت سے بعد تام ہے' اور بجز ملک گیری کی ہوس' مال و زر کی حرص' اور حصول اقتدار کی خواہش کے کسی اور جذبے سے آشنا نہیں ہیں؟

ہم کو تسلیم ہے کہ بعد کے زمانوں میں مسلمانوں کی اکثر حکومتوں کا عمل اس اصول جہاں بانی کے مطابق نہیں رہا ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ مگر یہ نقص اسلام کا نہیں' اس کے پیروؤں کا ہے۔ اسلام تو ایک قانون ہے جو قرآن اور سنت رسولؐ سے ماخوذ ہے۔ جو حکومت اس قانون کے مطابق عمل کرتی ہے' وہ اسلامی حکومت ہے اور جس کا عمل اس کے خلاف ہے وہ اسلامی حکومت نہیں ہے۔ ہمارے لیے مسلمان بادشاہوں کا عمل حجت نہیں ہے بلکہ اسلام کا قانون حجت ہے۔ (الجهاد فی الاسلام)